عمار ناصر

تفسیر کبیر اور اس کی خصوصیات

''مفاتیح الغیب'' یعنی تفسیر کبیر کا شمار تفسیر بالرائے کے طریقہ پر لکھی گئی اہم ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس کی تصنیف چھٹی صدی ہجری کے نامور عالم اور متکلم امام محمد فخر الدین رازیؒ (۵۴۳ھ۔۶۰۶ھ) نے شروع کی لیکن اس کی تکمیل سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں اس کی تکمیل، حاجی خلیفہؒ کی رائے کے مطابق قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقیؒ نے اور ابن حجرؒ کی رائے کے مطابق شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولیؒ نے کی۔ یہ بات بھی معین طور پر معلوم نہیں کہ تفسیر کا کتنا حصہ خود امام صاحب لکھ پائے تھے۔ ایک قول کے مطابق سورۃ الانبیاء تک جبکہ دوسرے قول کے مطابق سورۃ الفتح تک تفسیر امام صاحب کی اپنی لکھی ہوئی ہے(۱) تاہم اس معاملے میں سب سے زیادہ تشفی بخش اور مدلل نقطہ نظر الاستاذ عبد الرحمٰن المعلمی نے اپنے مضمون ''حول تفسیر الفخر الرازی'' میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے مضبوط داخلی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ تفسیر کے درج ذیل حصے خود امام صاحبؒ نے لکھے ہیں جبکہ باقی اجزاء الخوئیؒ یا القمولیؒ کے لکھے ہوئے ہیں:

۱۔ سورۂ فاتحہ سے سورۂ قصص تک

۲۔ سورۂ صافات سے سورۂ احقاف تک

۳۔ سورۂ حشر، مجادلہ اور حدید

۴۔ سورۂ ملک سے آخر قرآن تک (۲)

تفسیر کی خوبیاں

۱۔ جامعیت

تفسیر کبیر کی نمایاں ترین خصوصیت، جس کا اعتراف اکابر اہل علم نے کیا ہے، اس کی جامعیت ہے۔ وہ

۱۔ محمد حسین الذہبی: التفسیر والمفسرون، ج ۱، ص ۲۹۱۔ محمد تقی عثمانی: علوم القرآن، ص ۵۰۲

۲۔ ضیاء الدین اصلاحی: ''تفسیر کبیر اور اس کا تکملہ''، مشمولہ ''ایضاح القرآن''، ص ۲۰۶ تا ۲۴۸

جس مسئلہ پر لکھتے ہیں، اس کے متعلق جس قدر مباحث ان سے پہلے پیدا ہو چکے ہیں، ان سب کا استقصا کر دیتے ہیں۔ محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''رازی کی تفسیر کو علما کے ہاں عام شہرت حاصل ہے کیونکہ دوسری کتب تفسیر کے مقابلے میں اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مختلف علوم سے متعلق وسیع اور بھرپور بحثیں ملتی ہیں۔'' (۳)

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں

''قرآن کریم کے مشکلات میں مجھے کوئی مشکل ایسی نہیں ملی جس سے امام رازیؒ نے تعرض نہ کیا ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات مشکلات کا حل ایسا پیش نہیں کر سکے جس پر دل مطمئن ہو جائے'' (۴)

ہر آیت کی تفسیر میں امام صاحب کا طریقہ حسب ذیل ہے:

۱۔ آیت کی تفسیر، نحوی ترکیب، وجوہ بلاغت اور شان نزول سے متعلق سلف کے تمام اقوال نہایت مرتب اور منضبط انداز میں پوری شرح و وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

۲۔ آیت سے متعلق فقہی احکام کا ذکر تفصیلی دلائل سے کرتے ہیں اور امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳۔ متعلقہ آیات کے تحت مختلف باطل فرقوں مثلاً جہمیہ، معتزلہ، مجسمہ وغیرہ کا استدلال تفصیل سے ذکر کر کے اس کی تردید کرتے ہیں۔

ان میں سے پہلے دو امور کا ذکر اگرچہ دوسرے اہل تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ذخیرہ ان میں منتشر اور بکھرا ہوا ہے، جبکہ تفسیر کبیر میں یہ تمام مباحث یکجا مل جاتے ہیں۔ البتہ تیسرے امر کے اعتبار سے تفسیر کبیر اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے۔

۲۔ ترجیح و محاکمہ

امام صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں جمع اقوال پر اکتفا نہیں کی بلکہ دلائل کے ساتھ بعض اقوال کو ترجیح دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے، جس سے تفسیر کے متعلقہ علوم و فنون میں ان کی دسترس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ تفسیر گویا سابقہ تفسیری ذخیرے پر ایک محاکمہ کا درجہ رکھتی ہے۔

۳۔ التفسیر والمفسرون: ج ۱، ص ۲۹۳

۴۔ محمد یوسف بنوری: یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن، ص ۲۳

مختلف تفسیری اقوال میں ترجیح قائم کرتے ہوئے امام صاحب بالعموم حسب ذیل اصول پیش نظر رکھتے ہیں:

(۱) اگر کسی قول کی تائید میں صحیح حدیث موجود ہو تو اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ کی تفسیر میں تین اقوال نقل کرتے ہیں: ایک یہ کہ صور ایک آلہ ہے، جب اس کو پھونکا جائے گا تو ایک بلند آواز پیدا ہوگی جس کو خداوند تعالیٰ نے دنیا کی بربادی اور اعادۂ اموات کی علامت قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ لفظ بفتح الواو ہے اور صورۃ کی جمع ہے۔ مراد یہ ہے کہ "جب صورتوں میں روح پھونکی جائے گی"۔ تیسرا یہ کہ یہ ایک استعارہ ہے جس کا مقصد مردوں کا اٹھانا اور ان کو جمع کرنا ہے۔ امام رازیؒ نے ان اقوال میں سے پہلے قول کو اس بنا پر ترجیح دی ہے کہ اس کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ (۵)

(۲) جو مفہوم عقل کے مطابق ہو، اس کو راجح قرار دیتے ہیں۔

سورۂ نساء کی آیت خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی تفسیر میں عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور اس کی تائید میں حدیث بھی موجود ہے۔ لیکن امام رازیؒ ابو مسلمؒ کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں جن کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی جنس سے ان کی بیوی کو پیدا کیا۔ امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کر سکتے تھے، اسی طرح حضرت حوا علیہا السلام کو بھی کر سکتے تھے، پھر ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کرنے میں کیا فائدہ؟ (۶)

اسی طرح سورۂ کہف میں ذوالقرنین کے قصہ میں ارشاد باری ہے:

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ	یہاں تک کہ جب وہ آفتاب کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو سورج کو کیچڑ کی ایک نہر میں ڈوبتے دیکھا۔ (۷)

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ سورج درحقیقت کیچڑ میں ڈوبتا ہے لیکن امام رازیؒ کے نزدیک یہ تفسیر بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے اس لیے وہ زمین کی کسی نہر میں کیسے ڈوب سکتا ہے؟ (۸)

۵۔ فخر الدین الرازی: التفسیر الکبیر: ج ۲۳ ص ۲۲۰

۶۔ المرجع السابق: ج ۹ ص ۱۶۱

۷۔ سورۃ النساء، آیت ۱

۸۔ التفسیر الکبیر: ج ۲۱ ص ۱۶۷

(۳) جب تک کسی لفظ کا حقیقی اور معروف معنی مراد لینا ممکن ہو، اس وقت تک اس کا مجازی یا غیر معروف معنی مراد نہیں لیتے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں وَفَارَ التَّنُّوْرُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ تنور کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہی تنور ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے مراد سطح زمین ہے۔ تیسرا یہ کہ اس سے مراد زمین کا بلند حصہ ہے۔ چوتھا یہ کہ اس سے مراد طلوع صبح ہے۔ پانچواں یہ کہ یہ محاورتاً واقعہ کی شدت کی تعبیر ہے۔ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ کلام کو حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور حقیقی معنی کے لحاظ سے تنور اسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں روٹی پکائی جاتی ہے۔ (۹)

اسی طرح وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (جس نے مال غنیمت میں خیانت کی، وہ اس مال کے ساتھ قیامت کے دن حاضر ہوگا) کی تفسیر میں دو قول نقل کرتے ہیں: ایک یہ کہ حقیقتاً ایسا ہی ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اس تعبیر سے محض عذاب کی سختی بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ علم قرآن میں جو اصول معتبر ہے، وہ یہ ہے کہ لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر قائم رکھنا چاہیے الا یہ کہ کوئی اور دلیل اس سے مانع ہو۔ یہاں چونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں اس لیے اسی کو قائم رکھنا چاہیے۔ (۱۰)

(۴) اس قول کو مختار قرار دیتے ہیں جو کلام کی نحوی ترکیب کی وجوہ میں سے بہتر وجہ کے مطابق ہو۔

سورہ بقرہ کی آیت وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مَا اُنْزِلَ میں مَا نافیہ ہے یا موصولہ، نیز اس کا عطف السِّحْرَ پر ہے یا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ پر۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مَا کو موصولہ قرار دینا اور اس کا عطف السِّحْر پر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ جو لفظ قریب ہے، اس پر عطف کرنا بعید لفظ پر عطف کرنے سے زیادہ مستحسن ہے۔ (۱۱)

۳۔ آیات و سور میں باہمی ربط

امام رازیؒ قرآن مجید میں نظم کے قائل ہیں اور اپنی تفسیر میں آیات اور سورتوں کا باہمی ربط نہایت اہتمام

۹۔ المرجع السابق: ج ۱۷، ص ۲۲۶

۱۰۔ المرجع السابق: ج ۹، ص ۷۳

۱۱۔ المرجع السابق: ج ۳، ص ۲۱۸

سے بیان کرتے ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے جو کوششیں کی ہیں، ان کی اہمیت کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ مولانا تقی عثمانی کا خیال یہ ہے کہ

''آیتوں کے درمیان ربط ومناسبت کی جو وجہ وہ بیان فرماتے ہیں وہ عموماً اتنی بے تکلف، دل نشین اور معقول ہوتی ہے کہ اس پر دل نہ صرف مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ اس سے قرآن کریم کی عظمت کا غیر معمولی تاثر پیدا ہوتا ہے۔'' (۱۲)

جبکہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ

''اس سلسلے میں ان کی کوششیں کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئیں کیونکہ نظم قرآن کھولنے کے لیے جو محنت درکار تھی، اس کے لیے ان کے جیسے مصروف مصنف کے پاس فرصت مفقود تھی۔'' (۱۳)

تاہم اصولی طور پر امام رازیؒ نظم کی رعایت پر نہایت شدت سے اصرار کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ حم السجدہ کی آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نقلوا في سبب نزول هذه الآية ان الكفار لاجل التعنت قالوا لو نزل القرآن بلغة العجم فنزلت هذه الآية وعندي ان امثال هذه الكلمات فيها حيف عظيم على القرآن لانه يقتضي ورود آيات لا تعلق للبعض فيها بالبعض۔ وانه يوجب اعظم انواع الطعن فكيف يتم مع التزام مثل هذا الطعن ادعاء كونه كتابا منتظما فضلا عن ادعاء كونه معجزا؟ بل الحق عندي ان هذه السورة من اولها الى آخرها كلام واحد	لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں اتری ہے جو ازراہ شرارت یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کسی عجمی زبان میں اتارا جاتا تو بہتر ہوتا لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب الٰہی پر سخت ظلم ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن کی آیتوں میں باہم دگر کوئی ربط وتعلق نہیں ہے حالانکہ یہ کہنا قرآن حکیم پر بہت بڑا اعتراض کرنا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کو معجزہ ماننا تو الگ رہا، اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک ایک مربوط کلام ہے۔

۱۲۔ علوم القرآن: ص ۵۰۲

۱۳۔ امین احسن اصلاحی: مبادی تدبر قرآن، ص ۱۹۷

اس کے بعد اس آیت کی تفسیر لکھ کر فرماتے ہیں:

وكل من انصف ولم يتعسف علم انا اذا فسرنا هذه الاية على الوجه الذى ذكرنا صارت هذه السورة من اولها الى آخرها كلاما واحدا منتظما مسوقا نحو غرض واحد

ہر منصف جو انکار حق کا عادی نہیں ہے، تسلیم کرے گا کہ اگر سورہ کی تفسیر اس طرح کی جائے جس طرح ہم نے کی ہے تو پوری سورہ ایک ہی مضمون کی حامل نظر آئے گی اور اس کی تمام آیتیں ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کریں گی۔ (۱۴)

۴۔ عقلی انداز

امام رازیؒ اپنے زمانے کے عقلی اور فلسفیانہ علوم کے بلند پایہ عالم تھے۔ مسلمانوں کے مابین پیدا ہونے والے کلامی اختلافات اور ان کی مذہبی و عقلی بنیادوں پر ان کی گہری نظر تھی اور اسلام کے مختلف مسائل پر یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہونے والے اعتراضات سے بھی وہ پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ قدرتی طور پر ان کی تفسیر پر عقلی رنگ غالب ہے اور ان کی بحثوں میں ان تمام علوم کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہے جن کے مطالعہ کا موقع امام صاحب کو میسر آیا تھا۔ تفسیر کبیر میں اس عقلی ذوق کا اظہار حسب ذیل صورتوں میں ہوا ہے:

اسلامی عقائد کی براہین و دلائل سے تائید

امام صاحبؒ نہ صرف اسلامی عقائد کا دفاع بڑی حمیت اور جوش سے کرتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں معذرت خواہانہ رویہ کی بھی مذمت کرتے ہیں۔ سورہ سبا کی آیت ۱۲ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور جنات کو مسخر کر دیا۔ بعض لوگوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ ہوا سے مراد تیز رفتار گھوڑے اور جنات سے مراد طاقت ور انسان ہیں۔ امام رازیؒ یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

وهذا كله فاسد حمله على هذا ضعف اعتقاده وعدم اعتماده على قدرة الله والله قادر على كل ممكن وهذه اشياء ممكنة

یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہنے والے نے اس لیے کہی ہے کہ اس کا اعتقاد کمزور ہے اور اسے اللہ کی قدرت پر اعتماد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہیں اور یہ باتیں بھی ممکنات میں سے ہیں۔ (۱۵)

۱۴۔ التفسیر الکبیر: ج ۲۷، ص ۱۳۳

۱۵۔ نفس المصدر: ج ۲۵، ص ۲۴۷

اسلامی فرقوں کے کلامی جھگڑے

کلامی اختلافات امام صاحب کی دلچسپی کا خاص موضوع ہیں اور وہ موقع بموقع معتزلہ اور اشاعرہ کے مابین نزاعی مسائل پر بحثیں کرتے ہیں۔ امام صاحب اشاعرہ کے گرم جوش ترجمان ہیں اور، جیسا کہ ہم آگے عرض کریں گے، ان کی حمایت میں حدود سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں۔

دینی حقائق کی عقلی تعبیر

امام صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی آیات جن میں ماوراء العقل حقائق کا اظہار کیا گیا ہو، عام طریقے سے ان کی تفسیر کرنے کے بعد ان کی فلسفیانہ تعبیر بھی پیش کرتے ہیں۔

ملحدین کے اعتراضات کے جوابات

تفسیر کبیر میں قرآنی مضامین پر ملحدین کے اعتراضات سے بکثرت تعرض کیا گیا ہے۔ ان کے جواب میں امام صاحب یا تو مناظرانہ انداز میں ان کی تردید کرتے ہیں یا آیات کی توجیہ وتاویل کر کے ان کا صحیح مفہوم واضح کرتے ہیں۔

احکام شریعت کے اسرار

تفسیر کبیر میں بہت سے مقامات پر شرعی احکام کے اسرار اور ان کی حکمتیں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ کتاب کے عمومی مزاج کے تحت ان کی توضیح میں بھی فلسفیانہ ذوق غالب ہے۔

۵۔ اسرائیلیات سے متعلق محتاط رویہ

تفسیر بالروایت کے طریقے پر لکھی گئی کتب تفسیر میں ایک بڑا حصہ اسرائیلی روایات کا ہے۔ قرآن مجید میں امم سابقہ یا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے جن واقعات واحوال کا اجمالاً تذکرہ ہوا ہے، ان کی تفصیلات مہیا کرنے کے شوق میں غیر محتاط مفسرین نے بے سروپا روایات کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ یہ روایات بالعموم روایت کے معیار کے لحاظ سے ناقابل استناد اور عقل ودرایت کے اعتبار سے بالکل بے تکی ہیں۔ اسی لیے محقق مفسرین نے ان کو اپنی تفسیروں میں جگہ دینے سے گریز کیا ہے۔ امام رازی کا طریقہ بھی اس سلسلے میں احتیاط پر مبنی ہے۔

اسرائیلی روایات، درحقیقت، دو طرح کی ہیں:

بعض ایسی ہیں کہ ان میں وارد تفصیلات قرآن وسنت کے مسلمات سے تو نہیں ٹکراتیں لیکن فہم قرآن کے حوالے سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں امام رازیؒ ان کو نقل تو کرتے ہیں لیکن ان کی

تردید یا تائید کیے بغیر یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ ان سے اعتنا کرنا ایک بے کار کام ہے کیونکہ یہ تفسیر کے اصل مقصد کے لحاظ سے کار آمد نہیں ہیں۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا، اس کی تعیین میں تفسیری روایات مختلف ہیں۔ بعض کے مطابق یہ گیہوں کا درخت تھا، بعض کے نزدیک انگور اور بعض کے ہاں انجیر کا۔ امام رازیؒ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے اس درخت کی تعیین نہیں ہوتی اس لیے ہم کو بھی اس تعیین کی ضرورت نہیں کیونکہ اس قصہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم کو متعین طور پر اس درخت کا علم ہو۔ جو چیز کلام کا اصل مقصود نہیں ہوتی، اس کی توضیح بعض اوقات غیر ضروری ہوتی ہے۔(۱۶)

قرآن مجید میں مذکور قیامت کی علامات میں ایک علامت 'دابۃ الارض' کا نکلنا بھی ہے۔ مفسرین نے اس جانور کے جسم، اس کی خلقت اور اس کے نکلنے کے طریقے کے متعلق بے شمار روایات اکٹھی کی ہیں، لیکن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ان میں سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اس لیے اگر ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث مروی ہو تو وہ قبول کر لی جائے گی ورنہ وہ ناقابل التفات قرار پائے گی۔ (۱۷)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ساخت اور اس کی لمبائی چوڑائی کے متعلق مختلف تفسیری اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

> ''اس قسم کی بحثیں مجھے اچھی نہیں لگتیں کیونکہ ان کا علم غیر ضروری ہے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اور ان میں غور وفکر کرنا فضول ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہم کو یقین ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو صحیح جانب پر دلالت کرے۔''(۱۸)

دوسری قسم ان روایات کی ہے جو قرآن وسنت کے مسلمات کے صریح معارض اور ان کی بنیاد کو ڈھا دینے والی ہیں۔ ایسی روایات بالعموم بعض انبیاء سابقین کے واقعات کے تحت نقل ہوئی ہیں۔ تمام محقق مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، چنانچہ امام رازیؒ نے بھی حسب ذیل روایات کو بے اصل قرار دیا ہے:

۱۔ واقعہ ہاروت وماروت کے ضمن میں مروی روایات جن کے مطابق یہ دونوں فرشتے تھے جو زمین پر

۱۶۔ نفس المصدر: ج ۳، ص ۵

۱۷۔ نفس المصدر: ج ۲۴، ص ۲۱۸

۱۸۔ نفس المصدر: ج ۱۷، ص ۲۲۴

بھیجے گئے اور ایک عورت کے ساتھ بدکاری کی خواہش میں بت پرستی ،شراب نوشی اور قتل کے مرتکب ہوئے۔ (۱۹)

۲۔سورہ اعراف کی آیت ۲۴ کے الفاظ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِي مَا آتَاهُمَا کے تحت مروی روایت جس میں ذکر ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کا ذکر ہے جنہوں نے ابلیس کے ورغلانے میں آ کر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ (۲۰)

۳۔حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں مروی روایت جس کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام آمادۂ گناہ ہو گئے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے ان کو دھکیل کر ہٹایا اور وہ بالکل ناکارہ ہو گئے۔ (۲۱)

۴۔حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کے تحت مروی روایات جن کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام اوریا کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے اور اس کے خاوند کو قتل کرا کے اس سے نکاح کر لیا۔ (۲۲)

تفسیر کبیر پر اعتراضات

اپنی تمام تر افادیت اور خوبیوں کے باوجود تفسیر کبیر خامیوں سے پاک نہیں۔ہم ذیل میں ان چند امور کا ذکر کرتے ہیں جن پر اہل علم نے اعتراض کیا ہے۔

ا۔غیر متعلق مباحث کی کثرت

تفسیر کبیر کے ایسے عقلی مباحث جن سے منصوصات کی تائید یا ان کی تفہیم میں مدد ملتی ہے، ان کی تمام منصف مزاج اہل علم نے قدر کی ہے۔لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اس تفسیر میں ایک بڑا ذخیرہ ایسے فنی مباحث کا بھی ہے جن کا قرآن کی تاویل وتشریح سے کوئی تعلق نہیں اور جنہیں امام صاحبؒ نے محض اپنے عقلی ذوق کی تشفی کے لیے تفسیر کا حصہ بنا دیا ہے۔محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

۱۹۔ نفس المصدر: ج ۳،ص ۲۱۹

۲۰۔ نفس المصدر: ج ۱۴،ص ۸۶

۲۱۔ نفس المصدر: ج ۱۸،ص ۱۳۰

۲۲۔ نفس المصدر: ج ۲۶،ص ۱۹۴

''تفسیر دیکھنے سے ظاہر ہے کہ امام رازی کو زیادہ سے زیادہ نکتے استنباط کرنے اور دائرۂ گفتگو کو وسیع سے وسیع تر کرنے کا ازحد شوق ہے۔ قرآن کے الفاظ سے کسی موضوع کا ذرا بھی تعلق نظر آئے تو وہ اس کو دائرۂ بحث میں لے آتے اور اس سے متعلق نکات استنباط کرنا شروع کر دیتے ہیں۔'' (۴۳)

تفسیر کے مقدمہ میں خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ بات نکلی کہ سورہ فاتحہ سے دس ہزار فوائد اور نکات استنباط کیے جا سکتے ہیں لیکن بعض لوگوں نے اس کو ناممکن قرار دیا۔ چنانچہ میں نے اس بات کو ممکن الحصول ثابت کرنے کے لیے فاتحہ کی تفسیر میں اس قدر تطویل سے کام لیا ہے۔ (۴۴) چنانچہ تفسیر کبیر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر ۲۹۰ صفحات کو محیط ہے۔ اس ذوق کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ ریاضی، طبعیات، ہیئت، فلکیات، فلسفہ اور علم کلام کے طویل مباحث کی نذر کر دیا گیا ہے۔ تفسیر کبیر کا یہ پہلو غالباً تمام اہل علم کی نظروں میں کھٹکا ہے اور اس حوالے سے اس پر تنقید کی گئی ہے۔ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

''صاحب علوم عقلیہ بالخصوص امام رازی نے اپنی تفسیر کو حکما، فلاسفہ اور ان جیسے لوگوں کے اقوال سے بھر دیا اور ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف اس طرح نکل گئے کہ دیکھنے والا تعجب کرتا ہے کہ آیت کے موقع ومحل سے اس کو کیا مطابقت ہے؟ ابوحیان بحر میں لکھتے ہیں کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی طویل چیزوں کو جمع کر دیا ہے، جن کی ضرورت علم تفسیر میں نہیں اسی لیے بعض علما نے کہا ہے کہ تفسیر کبیر میں ہر چیز ہے، صرف ایک تفسیر نہیں ہے۔'' (۴۵)

الدکتور محمد حسین ذہبی بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کتاب کو علم کلام اور طبیعی وکائناتی علوم کا انسائیکلو پیڈیا کہنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ پہلو اس پر اس قدر غالب ہے کہ اس کی تفسیر ہونے کی حیثیت دب کر رہ گئی ہے۔'' (۴۶)

۲۔ متکلمانہ جانبداری

تفسیر کبیر پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس میں امام صاحبؒ نے کلامی جھگڑوں کے حوالے سے ایک خاص

۴۳۔ التفسیر والمفسرون: ج ۱ص ۲۹۶

۴۴۔ التفسیر الکبیر: ج ۱ص ۳

۴۵۔ جلال الدین السیوطی: الاتقان، ج ۲ص ۱۹۰

۴۶۔ التفسیر والمفسرون: ج ۱ص ۲۹۵

نقطہ نظر کی وکالت کی کوشش کی ہے۔اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی رائے حسب ذیل ہے:

''مسلمانوں کا تعلق جب عجمی قوموں سے ہوا اور ان کے علوم اور ان کے فلسفہ سے ان کو سابقہ پڑا تو دینی مسائل پر سوچنے کا وہ انداز فکر وجود میں آیا جس کو ہم علم کلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اس علم کلام نے بھی ہمارے اندر مختلف مکتب خیال پیدا کیے اور ان میں سے ہر مکتب خیال کے لوگوں نے اپنے مخصوص افکار و نظریات کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے لیے قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں۔ان تفسیروں کا مقصد در حقیقت قرآن مجید کی تفسیر لکھنے سے زیادہ ان افکار و نظریات کے دلائل فراہم کرنا تھا جو ان تفسیروں کے لکھنے والوں نے اپنے متکلمانہ طرز فکر سے پیدا کیے تھے۔اس طرز پر ہمارے ہاں جو تفسیریں لکھی گئیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہمیت رکھنے والی تفسیریں دو ہیں: ایک علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کشاف اور دوسری امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر۔ان میں سے مقدم الذکر معتزلہ کے مکتب خیال کے ترجمان ہیں اور موخر الذکر اپنی تفسیر میں ہر جگہ اشاعرہ کے نظریات کی وکالت کرتے ہیں۔'' (۲۷)

اشعریت کی حمایت میں امام رازیؒ کے اس غلو کی شکایت علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی کی ہے:

''امام صاحب نے علم کلام کی بنیاد اشاعرہ کے عقائد پر قائم کی اور اس سینہ زوری سے اس کی حمایت کی کہ اشاعرہ کے جو مسائل تاویل کے محتاج تھے، ان میں تاویل کا سہارا بھی نہ رکھا اور پھر ان کی صحت پر سینکڑوں دلیلیں قائم کیں۔مثلاً اشاعرہ اس بات کے قائل تھے کہ انسان اپنے افعال پر قدرت موثرہ نہیں رکھتا تاہم جبر سے بچنے کے لیے انہوں نے کسب کا پردہ لگا رکھا تھا۔امام صاحب نے یہ پردہ بھی اٹھا دیا اور صاف صاف جبر کا دعویٰ کیا۔چنانچہ تفسیر کبیر میں جا بجا اس دعوے کی تصریح کی ہے اور اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔اسی طرح خدا کے افعال کا بغیر کسی مصلحت و حکمت کے ہونا، حسن و قبح کا عقلی نہ ہونا، زندگی کے لیے جسم کا مشروط نہ ہونا، دیکھنے کے لیے لون و جسم و جہت کا مشروط نہ ہونا، کسی شے میں کسی خاصیت کا نہ ہونا، اشیاء میں سبب و مسبب کا سلسلہ نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ان تمام مسائل پر سینکڑوں دلیلیں قائم کیں اور انہی مسائل کو اعتزال اور سنیت کا معیار قرار دیا چنانچہ ان کی تمام کتب کلامیہ اور تفسیر کبیر انہی مباحث سے بھری پڑی ہے۔'' (۲۸)

ایک مثال سے امام رازیؒ کے اس طرز فکر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

امام رازیؒ اور تمام اشاعرہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالا یطاق دیتا ہے یعنی ان

۲۷۔ مبادی تدبر قرآن ص ۱۸۵

۲۸۔ شبلی نعمانی: الکلام، ص ۶۳

پر ایسا بوجھ ڈالتا ہے جس کو اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر انہوں نے اپنی تفسیر میں مختلف آیات کے ذیل میں متعدد دلیلیں بیان کی ہیں۔ لیکن سورہ بقرہ کی آخری آیت واضح طور پر ان کے اس مسلک کی تردید کرتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے متعدد تاویلات سے آیت کے واضح مفہوم کو پلٹنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے دوسری جگہ ایک عجیب دلیل دیتے ہوئے آیت کے ظاہری مفہوم کو رد کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

واذا كانت المسئله قطعية يقينية كان القول فيها بالدلائل الظنية الضعيفة غير جائز۔ مثاله قال الله تعالى "لا يكلف الله نفسا الا وسعها" قام الدليل القاطع على ان مثل هذا التكليف قد وجد على ما بينا بالبراهين الخمسة فى تفسير هذه الآية فعلمنا ان المراد لله تعالى ليس ما يدل عليه ظاهر الآية	جب ایک مسئلہ اپنی جگہ پر قطعی یقینی ہو تو اس کے بارے میں ظنی اور کمزور دلائل کی بنا پر کچھ کہنا ناجائز ہے۔ مثلاً لا يكلف الله نفسا الا وسعها کے متعلق قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی قسم کی تکلیف مالایطاق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تائید میں پانچ نہایت محکم دلیلیں لکھ چکے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نہیں ہو سکتی جو ظاہر آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ (۲۹)

۳۔ اہل السنۃ کی کمزور ترجمانی

بعض علما کی رائے یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں باطل فرقوں کا استدلال تو نہایت بھرپور طریقے سے پیش کیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں اہل سنت کی ترجمانی کمزور طریقے سے کی گئی ہے۔ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"ان پر یہ اعتراض ہے کہ قوی شبہات پیش کرتے ہیں لیکن ان کا تسلی بخش جواب دینے سے عاجز رہ جاتے ہیں،"

۲۹۔ التفسیر الکبیر: ج ۷، ص

چنانچہ مغرب کے بعض علمانے کہا کہ ان کے اعتراضات نقد ہوتے ہیں اور جواب ادھار۔ شیخ سراج الدین ان پر سخت اعتراض کرتے اور کہتے تھے کہ دین کے مخالفین کے اعتراضات تو نہایت قوت اور زور سے بیان کرتے ہیں لیکن اہل سنت کی ترجمانی نہایت کمزور طریقے سے کرتے ہیں۔" (۳۰)

مخالف کے استدلال کو پوری قوت سے پیش کرنے کی عادت کا خود امام رازیؒ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ 'نہایۃ العقول' کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ وہ مخالف کے استدلال کو اس عمدگی سے پیش کریں گے کہ اگر مخالف خود بھی چاہے تو اس سے اچھے طریقے سے پیش نہ کر سکے گا۔ (۳۱)

۳۰۔ التفسیر والمفسرون: ج ۱ص ۲۹۵

۳۱۔ المرجع السابق

مولانا محمد عیسیٰ منصوری کی

تالیفات

☆ برصغیر کے دینی مدارس (نصاب ونظام کا ایک جائزہ)

☆ مغرب اور عالم اسلام کی فکری وتہذیبی کشمکش

☆ الحاج فضل کریم کی تبلیغی تقریریں

☆ مقالات منصوری (جلد اول) زیر طبع

☆ مولانا سعید احمد خانؒ (شخصیت، احوال اور خدمات)

ناشر

ورلڈ اسلامک فورم، لندن

پاکستان میں ملنے کا پتہ

الشریعہ اکادمی

پوسٹ بکس 331، گوجرانوالہ